ابوالاعلی مودودی اوران کے نظریات کا مختصر تعارف

تالیف

فقیہ العصر حضرت مولانا
مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب
نوّر اللہ مرقدہ

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کے نظریات کا مختصر تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وعلی آلہ الاطہار واصحابہ الاخیار۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد برادران اسلام کی خدمت میں گزارش ہے کہ بندہ نے ۱۹۷۰ء میں ایک رسالہ بنام ''ابو الاعلیٰ کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر'' لکھا تھا جو شائع ہو کر مسلمانوں کے لیے نافع اور مفید ہوا۔ کافی عرصہ سے وہ نایاب ہو گیا اور احباب کی طرف سے اس کی اشاعت کا تقاضہ ہو رہا ہے مگر ہمارے جامعہ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب شائع نہیں کی جاتی جس سے نفع حاصل کرنا مقصود ہو نہ ابو الاعلیٰ کی طرح اپنی کتابوں کو ذریعہ معاش بنایا جاتا ہے، رسالہ مذکورہ بھی شاہپور صدر سے ہی شائع ہوا تھا اب پھر کوئی ذریعہ اس کی اشاعت کا نکل آئے گا تو شائع ہو جائے گا۔

زیر نظر مضمون مختصر طریقہ پر جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی شخصیت اور ان کے نظریات کے تعارف کیلئے لکھا جا رہا ہے۔

یہ توعام طور پر معلوم ہی ہے کہ یہ جماعت ایک سیاسی جماعت ہے اور معروف معنی میں الیکشنوں میں حصہ لینے والی شخصیت اور جماعت کو ''سیاسی'' کہا جاتا ہے لیکن اس جماعت کا زیادہ پروپیگنڈا مذہبی جماعت ہونے کا ہے اس لیے اس کے سیاسی نظریات کے ساتھ اس کے مذہبی نظریات پر بھی نظر کی جاتی ہے۔ کیونکہ سیاسی جماعتوں کے قابل اعتراضات امور سے کسی کو ''مذہبی ''ضرر پہونچنے کا اندیشہ نہیں ہوتا عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ سیاسی جماعت ہے اس میں بعض امور اگر اچھے ہیں تو بعض امور قابل اعتراض بھی ہیں اور کوئی سیاسی جماعت بھی اس سے خالی نہیں ہوتی کمی زیادتی کا فرق ہونا ناگزیر ہے مگر ان قابل اعتراض امور کو نہ تومذہبی سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی وہ جماعت اس کومذہبی باور کرانے کی کوشش کرتی ہے، اگر کوئی جماعت اس کی کوشش کرے بھی اور دھو کہ دینا چاہے بھی تو بھی عام مسلمان اس کے فریب میں نہیں آتے وہ سمجھتے ہیں کہ مذہبی امور میں ایسے لوگوں کی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا مگر ''جماعت اسلامی'' کی حالت عجیب ہے کہ وہ مذہبی امور میں بھی اپنی رائے دہی کا حق ہی نہیں سمجھتے بلکہ اپنی رائے اور اس کے بانی کو معیار حق تصور کرتے ہیں اور اپنی رائے کے سامنے تمام علماء کرام اور فقہائے عظام کی رائے کو ہیچ بلکہ غلط سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ

جن اکابر علماء کرام کی زندگیاں قرآن کریم اوراحادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے میں گزریں ماہر اساتذہ کرام سے قواعد صرف ونحواور علم معانی حاصل کرنے میں عمر کا کافی حصہ صرف کیا ہے اس جماعت کے بانی کے نزدیک ان سب کے مقابلہ میں اپنا فہم قابل قبول اور صحیح ہے اوران سب حضرات کا فہم غلط ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ فہم قرآن کے سلسلہ میں بھی اپنے ہی فہم پر اعتماد کرتے اور اس کو ہی صحیح سمجھتے ہیں چاہے تمام اکابر امت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ قرآن وسنت کے بارے میں کسی کے فہم کے اتباع کے قائل نہیں ہیں بلکہ اپنے فہم پر ہی اعتماد کرتے اور اس طرح جمہور امت کے خلاف کرکے تفریق بین المسلمین کے مرتکب ہوتے ہیں جو کچھ اپنی رائے اور مطالعہ سے سمجھتے ہیں اس کو صحیح سمجھتے ہیں، لکھتے ہیں:

''میں اپنا دین معلوم کرنے کیلئے چھوٹے یا بڑے علماء کی طرف دیکھنے کا محتاج نہیں ہوں بلکہ خود خدا کی کتاب اوراس کے رسول کی سنت سے معلوم کرسکتا ہوں کہ اس ملک میں جو لوگ دین کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں وہ کسی خاص مسئلہ میں صحیح مسلک اختیار کررہے ہیں یا غلط؟ اس لئے میں اپنی جگہ مجبور ہوں کہ جو کچھ قرآن وسنت سے حق پاؤں اسے حق بھی سمجھوں اوراس کا اظہار بھی کروں'' (اختلاف امت ص ۱۳۲)

قران کریم کا صرف مطالعہ کافی نہیں

بعض نوجوان اور نو تعلیم یافتہ طبقہ کی قرآن کریم پڑھنے اور اس کے سمجھنے کی طرف توجہ قابل شکر ہے مگر اس کا طریقہ جو اختیار کیا جارہا ہے کہ وہ بطور خود قرآن کریم کا ترجمہ یا کسی کی تفسیر دیکھ کر قرآن کریم کو خود سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ کوشش بے اصول ہے اس لیے قرآن کریم کو صحیح سمجھنے کے بجائے بہت سے مغالطوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اس کو کسی استاد سے نہ پڑھا جائے، معلوم نہیں ان لوگوں نے قرآن کریم اور علوم قرآنی کو ہی ایسا کیوں سمجھ لیا ہے کہ جس کا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اس کی مراد متعین کرلے، یہ بے اصول مطالعہ جس میں کسی ماہر استاد کی راہنمائی شامل نہ ہو آیات الٰہیہ پر اندھے، بہرے ہو کر کرنے کے مفہوم میں شامل ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے: والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صمّا و عمیانا کہ جب ان کو اللہ کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان آیات کی طرف اندھے، بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے، بلکہ سمیع و بصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے اور

ان پر عمل کرتے ہیں۔

اندھے بہروں کی طرح گرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ و تابعین کے خلاف اپنی رائے یا سنی سنائی باتوں کے تابع کر کے غلط عمل کرنا یہ بھی ایک طرح سے اندھے، بہرے ہو کر ہی گرنے کے حکم میں ہے (ماخوذ از معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ص ۵۰۸ ج ۶)

مودودی صاحب کی تعلیم

نوجوان ابو الاعلیٰ کی تعلیم روایتی ڈگر پر نہیں ہوئی نہ انہیں کسی مغربی طرز کے اسکول میں داخل کیا گیا نہ انہوں نے کسی دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ان کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دی گئی، لیکن ان کی لاریب ذہانت کے باوجود ابتدائی مرحلے میں کچھ خلل ضرور رہ گئے (ایک شخص ایک کارواں مولانا مودودی کا شخصی مطالعہ ص ۷۷)

ابو الاعلیٰ صاحب کے علم کا زیادہ تر دارومدار ذاتی مطالعہ پر ہے، انہوں نے روایتی دینی طرز تعلیم کا مطالعہ بھی کیا اور جدید تعلیم سے بھی آشنائی رکھی، ان کے نزدیک دونوں میں خامیاں ہیں۔ اپنے بارہ میں خود ہی لکھتے ہیں:

''مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے، میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید و قدیم دونوں طریق ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے، اپنی بصیرت کی بناء پر نہ تو قدیم گروہ کو سراسر خیر پاتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو''(ترجمان القرآن، ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

بغیر استاد کی نگرانی اور راہنمائی کے خام مطالعہ کا اس کے سوا اور کیا نتیجہ ظاہر ہوسکتا تھا اور ''کچھ کچھ'' تعلیم پانے سے پوری طرح بصارت ہی حاصل نہ ہو سکی تو بصیرت کیسے حاصل ہو گئی جس کی بناء پر یہ جرنیلی حکم صادر کر دیا، ارباب علم و فہم کے نزدیک ایسے بے بصیرت حکم کی کیا وقعت اور حیثیت ہو سکتی ہے؟۔

دنیا کا کوئی بھی علم و فن کسی ماہر استاذ کی تربیت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا، ہر علم و فن کیلئے ماہر استاذ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح قرآن و سنت کے سمجھنے کیلئے کتابوں کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ ان کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنی ضروری ہے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے براہ راست علم حاصل کیا پھر ان سے تابعین اور ان سے تبع تابعین نے، اسی طرح براہ راست تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔

اگر قرآن سمجھنے کیلئے استاد کی ضرورت نہ ہوتی تو قرآن کریم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استاذ و معلم بنا کر کیوں مبعوث فرمائے جاتے؟ اہل عرب کی تو مادری زبان عربی تھی وہ قرآن کریم کو خود ہی سمجھ لیتے، کیا اہل عرب آجکل کے پروفیسروں جتنی بھی قرآن فہمی کی قابلیت نہیں رکھتے تھے؟۔

پھر غور کیا جائے کہ جس شخص نے کسی ماہر استاذ سے قرآن کریم کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور قرآن کی زبان عربی اس کی مادری زبان نہیں ہے اور عربی زبان سے اس کو پوری واقفیت بھی نہ ہو وہ استاذ کے واسطہ کے بغیر قرآن فہمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست دین حاصل کرنے کا کیسے دعوی کرسکتا ہے اور اس کے اس دعوی کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے جیسا کہ مودودی صاحب نے لکھا ہے: ''میں کبھی ...... یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا''۔(روئیداد جماعت اسلامی حصہ سوم ص ۳۷)

مودودی صاحب کی فکر

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے نوجوانی کی عمر سے ہی بجائے تعلیمی

اور تربیتی تکمیل کے مراحل طے کرنے کی فکر کرنے کے تلاش معاش اور مستقبل کی تعمیر کیلئے تگ ودو شروع کر دی وہ اپنی کہانی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ڈیڑھ سال کے تجربات نے یہ سبق دیا کہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کیلئے اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہونا ضروری ہے اور استقلال کیلئے جدوجہد کے بغیر چارہ کار نہیں ہے، فطرت نے تحریر وانشاء کا ملکہ ودیعت فرمایا تھا عام مطالعہ سے اس کو اور تحریک ہوئی اسی زمانہ میں جناب نیاز فتحپوری سے دوستانہ تعلقات ہوئے ان کی صحبت بھی وجہ تحریک بنی غرض ان تمام وجوہ سے یہ فیصلہ کیا کہ قلم ہی کو وسیلہ معاش قرار دینا چاہیے''(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۶۰)

نیاز فتحپوری سے دوستانہ تعلقات خوب کام آئے ۔اور حدیث میں آیا ہی فلینظر عمن یخالل جس کو دوست بناؤ پہلے دیکھ لو، ابوالاعلیٰ صاحب کی نگاہ انتخاب نے اپنی خلت ودوستی کیلئے مشہور زمانہ نیاز فتحپوری کا انتخاب کیا، اپنی اپنی نگاہ اپنی اپنی پسند ہے، اس میں کسی دوسرے کا کیا دخل ہے، ہر شخص اپنی جنس کی طرف مائل ہوتا ہے الجنس یمیل الی الجنس مشہور ہے۔

چنانچہ موصوف جمعیت علماء ہند کے اخبار روز نامہ مسلم کی

ایڈیٹری بھی کرتے رہے اور کچھ رسالے بھی اس زمانے میں لکھے۔

انہی دنوں حیدرآباد دکن سے ایک صاحب ایک دینی و تبلیغی رسالہ ''ترجمان القرآن'' نکالا کرتے تھے، مودودی صاحب نے ان سے یہ رسالہ لے لیا، چنانچہ مودودی صاحب کے ایک مداح لکھتے ہیں:

انہیں (مودودی صاحب کو)اپنے افکار کی ترویج و تبلیغ کیلئے ایک معیاری رسالے کی ضرورت تھی چنانچہ ۱۹۳۱ء میں مولانا مصلح الدین سے ''ترجمان القرآن'' حاصل کرلیا، مولانا مصلح الدین اس رسالہ کے ذریعہ چند ماہ سے حیدرآباد دکن سے قرآن کے پیغام کی اشاعت کر رہے تھے، اس وقت سے یہ رسالہ مودودی صاحب کی تحریک کا داعی ہے۔(ایک شخص ایک کارروان ص ۷۸)

اس طرح ابو الاعلیٰ صاحب کو ایک چلتا چلاتا رسالہ اپنے افکار کی ترویج کیلئے مل گیا۔مودودی صاحب جدید فیشن اور نئے طرز زندگی کے دلدادہ تھے اور قرآن وسنت کو بھی جدید طور پر منطبق کرنے کیلئے ڈھالنے اور امت کو نئے راستے کی طرف دعوت دے رہے تھے قدیم علماء، شیوخ اور مدرس کے مقابلہ میں موصوف کا نیا اسلوب نگارش اور انداز بیان تعلیم یافتہ اور کالج اور یونیورسٹیوں کے نوجوان طالب علموں میں مقبول ہو رہا تھا چنانچہ اس رسالہ کے آخر صفحہ پر کئی سال تک یہ عبارت چھپتی رہی:

''اس رسالہ کا مقصد اللہ کے احکام کی اشاعت اور لوگوں کو اللہ کے راستہ پر جہاد کی دعوت دینا ہے......اور قرآن و سنت کے قوانین کو جدید طور پر منطبق کرنے کیلئے ڈھالا جا سکے، یہ جریدہ امت مسلمہ کو ایک نئے راستہ کی طرف دعوت دیتا ہے'' (ایک شخص ایک کارروان ص ۷۸)

اور وہ راستہ مودودی صاحب کے الفاظ میں ایسا راستہ ہے کہ اس سے اختلاف کرنے والا مسلمان نہ ہو گا۔

''جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعوی رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اس خدمت کو انجام دینے کے لئے اٹھ کھڑی ہو جو امت مسلمہ کی پیدائش کی ایک ہی غرض ہے یا نہیں تو اسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کر لے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے'' (مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت از مولانا محمد منظور نعمانی مرحوم)

ناظرین کرام نے سمجھ لیا ہو گا کہ مودودی صاحب اپنی دعوت کو رد کرنے والی قوم پر کیا حکم لگا رہے ہیں؟۔

مودودی صاحب اور قرآن فہمی

مودودی صاحب کی اس واجبی سی تعلیم کے ساتھ جس کا ذکر

اجمالی طور پر اوپر ہوا ہے، موصوف کو قرآن کریم کا سکالر اور محقق سمجھنا بڑی ہی عجیب سی بات ہے، ماہر اساتذہ کی تعلیم وتربیت اور طویل مدت تک ان سے استفادہ کئے بغیر کسی بھی فن میں تحقیقی مقام حاصل نہیں ہوسکتا، مگر قرآن کریم کو ایسا لاوارث سمجھ لیا گیا کہ اس میں ہر شخص کو نہ صرف رائے زنی کا حق ہے بلکہ ہر شخص کو تحقیق کا مقام بھی حاصل ہے۔

مودودی صاحب کی اس کوتاہ علمی کے باوجود خود رو محدود مطالعہ کی بنیاد پر موصوف کو قرآن فہمی کے بارہ میں معیار قرار دے لینا اصولی غلطی اور قرآن کریم کی ناقدری کے مترادف ہے مودودی صاحب کے نزدیک قرآن فہمی کے لیے کسی معیاری علم اور مہارت کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے نہ ہی کسی مستند مفسر یا تفسیر کی ضرورت ہے نہ ہی ان کے نزدیک علوم عربیہ ودینیہ کی تحصیل اور ان میں کمال حاصل کرنے کی ضرورت ہے، حالانکہ علامہ جلال الدین رحمہ اللہ تعالی وغیر ماہر علوم عربیت نے قرآن فہمی کیلئے چودہ علوم کی ضرورت ثابت کی ہے، ''اتقان فی علوم القرآن'' کوملاحظہ کیا جائے۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں: قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ہے، ایک اعلیٰ درجے کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو اور جو جدید طرز پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی صلاحیت

رکھتا ہووہ اپنے لکچروں سے انٹرمیڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرے گا، پھر بی۔اے میں ان کو پورا قرآن اس طرح پڑھائے گا کہ وہ عربیت میں بھی کافی ترقی کر جائیں گے۔ (اختلاف امت بحوالہ تنقیحات ص ۱۹۳)

یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں تو پھر آپ کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' کی بھی کیا ضرورت ہے، اعلیٰ درجہ کا ہر پروفیسر تفسیر کے لیے کافی ہے مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ اعلیٰ درجہ کا پروفیسر جس نے قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہو اس کا معیار کیا ہے اور اس کا کورس کیا ہے؟ اور ''نظر غائر مطالعہ'' کی کیا تعریف اور اس کا کیا معیار ہے؟ اور آپ بھی اعلیٰ درجہ کے پروفیسر اور اس معیار پر اترتے ہیں؟

فہم قرآن کی چند مثالیں

مودودی صاحب کے بنظر غائر مطالعہ اور فہم قرآن کی چند مثالیں بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' پیش کی جاتی ہیں ان مثالوں سے واضح ہو جایگا کہ استاد اور قواعد و علوم عربیہ کے بغیر قرآن فہمی کا دعوی بالکل غلط ہے اور مطالعہ کی بنیاد پر قرآن کریم کے معانی اور مطالب کے سمجھنے میں ایسی ایسی غلطیاں لگ جاتی ہیں جو حنفی فقہ کے خلاف ہونے کے ساتھ اجماع

کے بھی خلاف ہوتی ہیں ان چند مثالوں پر غور کرنے کے بعد مودودی صاحب کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

(۱) مودودی صاحب کے ''فہم قرآن'' کا مستند مجموعہ ان کی تفسیر تفہیم القرآن ہے، اس میں آیت فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک کے تحت لکھا ہے:

اگر میت کی اولاد میں صرف دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکہ میں دو تہائی ملے گا۔

''صرف دو سے زائد لڑکیاں'' میں ''صرف ''قرآن کے کس لفظ کا ترجمہ ہے؟

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا ہو اور اس کی اولاد میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں تو خواہ دو لڑکیاں ہوں یا دو سے زائد بہر حال اس کے کل ترکہ کا ۳/۲ حصہ ان لڑکیوں میں تقسیم ہوگا اور باقی ۳/۱ دوسرے وارثوں کو۔ اس سے یہ حکم آپ سے آپ نکل آتا ہے کہ اگر میت کا صرف ایک بیٹا ہو تو وہ ۳/۲ کا حقدار ہوگا اور کئی بیٹے ہوں تو ۳/۲ میں شریک ہوں گے''۔ (تفہیم القرآن ص ۴۲۶ طبع اول)

لڑکے کو لڑکیوں پر قیاس کرنا قطعی طور پر غلط اور اجماع امت کے خلاف ہے، درس نظامی کا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ لڑکا

دوسرے وارثوں کی عدم موجودگی میں کل مال کا وارث ہوتا ہے اور اگر دوسرے وارث موجود ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی سب مال اسے ملتا ہے، غور کیجئے کہ علم وراثت کا یہ معمولی مسئلہ بیان کرنے میں مودودی صاحب نے کتنی ٹھوکر کھائی ہے۔

(۲) آیت فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیه ومن تأخر فلا اثم علیه کا ترجمہ یوں کیا ہے "پھر جو کوئی دو دن پہلے واپس ہو گیا ہو تو کوئی حرج نہیں اور جو کسی نے دو دن زیادہ صرف کر دیے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں" اس کے بعد حاشیہ میں تصریح یوں کی ہے:

"ایام تشریق میں منیٰ سے مکے کی طرف واپس خواہ دو دن پہلے یا دو دن بعد دونوں صورتوں میں کوئی حرج نہیں" (تفہیم القرآن)

آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں ہے جو بیان کیا گیا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بارہ ذوالحجہ کو لوٹ آئے تو بھی کوئی حرج نہیں اور اگر ایک دن تاخیر کر کے ۱۳ کو پلٹ آئے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، نہ معلوم "دو دن پہلے اور دو دن بعد" کا مطلب کس بنیاد پر اخذ کیا ہے؟

(۳) سورت فاتحہ کی آیت الرحمن الرحیم کی تشریح میں لکھا ہے کہ: رحمن کے بعد لفظ رحیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم سخی کے

بعد داتا، گورے کے بعد چٹا، اور لمبے کے بعد تڑنگا بولتے ہیں۔

نعوذ باللہ گویا جیسے یہ بعد میں آنے والے الفاظ لغو، بے معنی اور مہمل ہیں، اسی طرح رحمن کے بعد رحیم بھی ایک مہمل اور بے معنی لفظ کا اضافہ ہے، یہ مودودی صاحب کی قرآن فہمی کا شاہکار ہے جو ماہر اساتذہ اور معتبر تفسیروں سے آزاد مطالعہ کا نتیجہ ہے کہ ''رحیم'' کے بامعنی لفظ کو مہمل بنادیا۔

(۴) آیت وسخرنا مع داود الجبال یسبحن والطیر کی تشریح ان الفاظ سے کی گئی ہے ''ان ارشادات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اللہ کی حمد وثنا کے گیت گاتے تھے تو ان کی سریلی آواز سے پہاڑ گونج اٹھتے تھے اور پرندے ٹھر جاتے تھے اور سماں بندھ جاتا تھا (تفہیم القرآن طبع اول)

حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی تسبیح میں مشغول ہو جاتے تھے مگر اس تشریح میں عقل وتاویل نے اس کا جس طرح حلیہ بگاڑا ہے اس پر گرفت کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریاآبادی لکھتے ہیں:

''تسخیر جبال کا یہ معنی کرنا کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب پہاڑوں میں تسبیح میں مشغول ہوتے تھے تو پہاڑ ان کی آواز سے گونجنے لگتے تھے،

قرآن کی تفسیر نہیں تحریف ہے ‘‘(تفسیر ماجدی پ ۱۷ ص ۶۷۰)

اور یہ معنیٰ کرنا معجزہ داؤدی کے انکار کے مترادف ہے بلند اور سریلی آواز سے پہاڑوں کا گونج اٹھنا تو کوئی اعجوبہ نہیں یہ تو ہوتا رہتا ہے نہ اس کو معجزہ کہا جاتا ہے، اور اس معنیٰ کی تائید اس حدیث سے کیسے ہوتی جس میں آیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری جو بہت خوش آواز تھے، ان کی تلاوت قرآن کی آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے کیوں کہ اس حدیث میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا مذکور ہے اور آیت میں یسبحن (تسبیح کرتے تھے) پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کرنے کا ذکر واضح طور پر ہے خوش آوازی کے تاثر سے قرآت سننے کے لیے کھڑا ہو جانا اور بات ہے اور پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح پڑھنا امر آخر ہے، یہی قرآن فہمی اور حدیث فہمی ہے جس کی وجہ سے کسی عالم سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۵) اس جگہ (منیٰ میں ۱-۴) قربانی کی جاتی ہے تا کہ راہ خدا میں خون بہانے کی نیت اور عزم کا اظہار عمل سے ہو جائے، پھر وہاں سے کعبہ کا رخ کیا جاتا ہے، جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کر کے ہیڈ کواٹر کی طرف سرخرو واپس آرہا ہے۔ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھل جاتا ہے جو کچھ حرام تھا وہ پھر حلال ہو جاتا ہے (خطبات حقیقت حج)

احرام طواف زیارت (جو ذوالحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں میں سے کسی تاریخ میں ہوتا ہے) اور دو رکعتوں سے پہلے منیٰ ہی میں سر منڈانے کے بعد کھل جاتا ہے اور ماسوا بیوی کے احرام سے حرام ہونے والی ہر چیز حلال ہو جاتی ہے اور طواف کے بعد یہ حرمت بھی ختم ہو جاتی ہے، مگر مودودی صاحب کا فہم یہ ہے کہ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھلتا ہے۔

مودودی صاحب کا یہ فلسفہ بھی عجیب ہے کہ منیٰ سے قربانی کے بعد کعبہ کی طرف واپسی ایسی ہے کہ جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کر کے ہیڈ کوارٹر کی طرف سرخروہ واپس آرہا ہے۔ عبادات میں ایسے بے جوڑ فلسفے بیان کرنے کی نہ معلوم کیا ضرورت پیش آئی جو حقیقت عبادت اور بندگی کی روح کے خلاف ہوتے ہیں اور نا حقیقت شناس لوگ ان کو ہی مقصود سمجھ کر ان پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نویں ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں شرائط کے ساتھ حاضری جس طرح بندگی کی ایک صورت ہے اور وہ حج کا رکن ہے اسی طرح منیٰ سے واپسی پر طواف زیارت بھی عبادت کی ایک صورت اور رکن حج ہے مگر اس عبادت میں اس کی اس طرح تشریح کی گئی ہے کہ گویا میدان عرفات میں حاضری سے اصل ڈیوٹی ادا ہو جاتی ہے اور

اب کعبہ کا رخ کرنا اپنے ہیڈ کواٹر کی طرف اپنی ڈیوٹی سے سرخرو واپس آنے کے مترادف ہے حالانکہ ابھی حاجی کے ذمہ طواف زیارت کا فرض باقی ہے اور اس کی ڈیوٹی میں شامل ہے اس کی ادائیگی کے بغیر ڈیوٹی کی تکمیل اور سرخروئی کا تصور ناممکن ہے مگر مودودی صاحب طواف زیارت سے پہلے ہی سرخروئی کا مژدہ سنا رہے ہیں، فیاللعجب ؟۔

(۶) سورۃ احزاب آیت نمبر ۳۶ کے تحت لکھا ہے:

"ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور مقاتل بن حبان کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے لیے حضرت زینب کے نکاح کا پیغام دیا تھا حضرت زینب اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا تھا، اس طرح کا اظہار نارضامندی ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی کیا تھا" (تفہیم القرآن طبع اول)

حضرت عبداللہ بن جحش حضرت زینب کے بھائی اس واقعہ سے بہت پہلے جنگ احد میں شہید ہو چکے تھے، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عبداللہ بن جحش دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا تھا۔

(۷) جو فعل ان (حضرت داؤد علیہ السلام) سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب

استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمان روا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ص ۳۲۷ پ ۲۳ سورۃ ص)

(۸) حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں، غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا (تفہیم)

قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کے بارہ میں مودودی صاحب کا مسلک کچھ اسی انداز کا ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں بھی ان کا نقطہ نگاہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ کس قدر آزادانہ اور غیر اسلامی ہے۔ تفصیل احقر کے رسالہ ''ابو الاعلیٰ مودودی کے نظریات پر تحقیقی نظر'' اور دیگر رسائل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳/ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ